جمعیۃ اہلحدیث اور علاّمہ صاحب کا اہم کردار

جناب مولانا عبدالستار گوندل الریاض

۱۹۷۷ء میں علامہ صاحب سے میرے تعلقات استوار ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب ملک اور ہماری جماعت کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ ملک کی تباہی کے ذمہ دار مسٹر بھٹو تھے جنہوں نے اپنے پانچ سالہ دور اقتدار میں پاکستان کی بنیادوں کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی طور پر کھوکھلا کر دیا تھا۔ ہماری جماعت کے زوال کا سبب ہماری نا اہل قیادت تھی۔ اس قیادت نے جماعت کو اپنی شہرت اور اثر و رسوخ کا زینہ بنایا۔ مگر ستم یہ ہے کہ وہ اپنی نا اہلی کی وجہ سے خود تو شہرت اور ناموری حاصل نہ کر سکے مگر جماعت کی شہرت ناموری اور اثر کو ختم کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھٹو حکومت کے خلاف قومی اتحاد بنا تو قومی اتحاد میں مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کو شامل نہ کیا گیا۔ قومی اتحاد کے قائدین کا کہنا تھا کہ اس جماعت کا ہم نے نام سنا ہے اور نہ کام اس کو اتحاد میں ستارا کیسے بنا لیا جائے۔ پھر جب مسٹر بھٹو کے خلاف "تحریک نظام مصطفےٰ" شروع ہوئی تو اہلحدیث افراد نے ملک و ملت کی خاطر بیش بہا قربانیاں پیش کیں مگر فعال قیادت نہ ہونے کی وجہ سے وہ جماعت کے لیے مفید ثابت نہ ہوئیں جب کوئی مورخ "تحریک نظام مصطفےٰ" کی تاریخ مرتب کرے گا تو اس میں ذاتی طور پر شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر کا نام تو نمایاں ہو گا مگر بطور جماعت مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کا ذکر نہیں ہو گا۔ اگر اس وقت جماعت کی قیادت با صلاحیت، اہل علم، مخلص، مستعد اور متحرک لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی تو جمعیۃ اہل حدیث کا نام سر فہرست ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ جماعتیں ہمیشہ باصلاحیت قیادت کی وجہ سے ترقی کرتی ہیں اور نا اہل قیادت کے باعث مٹ جاتی ہیں۔ اور افراد کی قربانیاں بھی فراموش ہو جاتی ہیں۔

قیام لاہور کے دوران مجھے ماہنامہ "محدث" میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران حضرت علامہ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کیونکہ میں جمعہ کی نماز ہمیشہ علامہ صاحب کی امامت میں چینیانوالی میں ادا کرتا تھا جمعہ کے روز میں تقریباً گیارہ بجے حضرت علامہ کے گھر حاضر ہو جاتا اور وہاں سے علامہ صاحب کی معیت میں جمعہ پڑھنے جاتا اور واپسی بھی ان کے ہمراہ ہی ہوتی۔ اس کے علاوہ میرے لائق اگر کوئی خدمت ہوتی تو مجھے وہ ٹیلیفون کر کے بلا لیتے تھے۔

ایک برس تک میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر میں بھی کام کرتا رہا۔ اس دوران بھی علامہ صاحب سے مسلسل رابطہ قائم رہا۔ علامہ صاحب چونکہ مجلس عاملہ کے رکن تھے اس لیے جب بھی وہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں تشریف لاتے تو قیادت کی نااہلی بے بسی اور بے حسی پر خوب تنقید کرتے اور انہیں کہتے کہ جماعت کی کوئی سیاسی اور دینی حیثیت بناؤ۔ تم کیا کرتے ہو۔ اگر کوئی سیاسی اتحاد بنتا ہے تو تم کو شامل نہیں کیا جاتا اگر حکومت کسی دینی معاملہ میں دینی جماعتوں سے مشورہ لیتی ہے تو تم کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ اگر حکومت کو اسلامی ادارہ قائم کرتی ہے تو تم کو پوچھا ہی نہیں جاتا۔ مگر وہ علامہ صاحب کی حقیقت افروز تنقید کا کوئی جواب نہ دے پاتے اور نہ ہی ان کی نصائح پر عمل کرتے۔ الٹا اسے تنقید برائے تنقید پر محمول کرتے۔ اسی دور میں ضیاء الحق کی حکومت نے شریعت کورٹ قائم کی جس میں جماعت اسلامی، بریلوی اور دیوبندی علماء کو شامل تو کیا گیا مگر جمعیت اہلحدیث کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایسے حالات نے میرے ضمیر نے گوارا نہ کیا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کروں جن کے دلوں میں مسلک اور جماعت کی کوئی حمیت اور تڑپ نہ ہو۔ چنانچہ میں نے استعفےٰ دے دیا اور علامہ صاحب نے "ترجمان الحدیث" کے انتظامات میرے سپرد کر دیئے۔

اسی اثنا میں جماعتی دستور کے مطابق جماعتی انتخابات کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ علامہ صاحب نے یہ نقطہ اٹھایا کہ جماعتی انتخابات از سر نو کرائے جائیں۔ لیکن مرکزی جمعیۃ کی قیادت علامہ صاحب کی غیر معمولی اہمیت، شہرت، عزت اور خطابت سے خائف تھی اور مجلس شوریٰ میں علامہ صاحب کا سامنا کرنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے انتخابات سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے انتخابات نہ کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ جس سے ان کی آئینی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ علامہ صاحب نے پورے ملک سے علماء اہلحدیث کو گوجرانوالہ میں جمع کیا اور ان کی جماعتی فنڈ زمیں گڑبڑ، جماعتی پراپرٹی میں خرد برد اور غیر دستوری حربوں کو جماعت کے سامنے پیش کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ جماعتی دستور کے مطابق ان کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ اب ہمیں غور و فکر کے بعد کوئی مثبت اقدام کرنا ہے۔ چنانچہ متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ جماعت کی ابھی سے تنظیم نو کر کے مسلک کی بالادستی اور جماعتی کی تعمیر و ترقی کے لیے کام شروع کرنا چاہیے۔ چنانچہ جماعت کی تنظیم نو کی گئی جس میں حضرت علامہ نے کوئی عہدہ قبول نہ کیا۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب گوجرانوالہ کو امیر، مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری کو ناظم اعلیٰ اور مولانا حبیب الرحمن یزدانی نائب ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ سب نے عہد کیا کہ متحد رہ کر جماعت کی ترقی اور مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے کام کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت سے بیوفائی نہیں کریں گے۔ مگر کچھ عرصہ بعد مولانا محمد حسین صاحب شیخوپوری ساتھ چھوڑ گئے۔ چنانچہ نئے انتخابات میں حضرت علامہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ چنانچہ حضرت الامیر مولانا محمد عبداللہ صاحب کی امارت اور حضرت علامہ کی نظامت و قیادت میں جماعت نے جس برق رفتاری کے ساتھ ترقی کی،

اکثروں نے جس طرح لوگوں کو خواب غفلت سے جگایا اور بزرگوں نے جس طرح ان کا ساتھ دیا وہ قابل قدر کارنامہ ہے

علّامہ صاحب سے متعلق بعض غلط فہمیاں

علامہ صاحب سے تعلقات سے پہلے ان کے بعض حاسد مولویوں سے سنا کرتے تھے کہ علامہ صاحب کی طبیعت میں تکبر پایا جاتا ہے۔ اور وہ کسی کے احترام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے۔ لیکن ان سے دو سال کی رفاقت سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے جس چیز کا نام تکبر اور عدم احترام رکھا ہوا ہے وہ دراصل حد درجہ کی حق گوئی اور بے باکی ہے وہ جب کبھی کسی میں کوئی نقص یا خامی پاتے تو اس کا برملا اظہار کر دیتے۔ اس کے برعکس حاسد مولوی کسی کے منہ پر حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ بلکہ بطور غیبت لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کرتے ہیں۔

علّامہ صاحب اور اعتماد

علامہ صاحب کو اپنی خداداد صلاحیتوں پر بے پناہ اعتماد تھا۔ اور وہ اپنے دوست واحباب پر بھی بے حد اعتماد کرتے تھے۔ ترجمان الحدیث کی طباعت وغیرہ کے سلسلہ میں مجھے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی وہ دے دیتے چار پانچ ماہ کے بعد رجسٹر چیک کروانے کے لیے جاتا تو دیکھنے سے انکار کر دیتے۔ جب میں سعودی عرب آنے کے لیے پابہ رکاب تھا تو میں نے رجسٹر دیکھنے کے لیے اصرار کیا اور ساتھ ہی مزاحاً کہا کہ اس میں میں نے گڑبڑ کی ہے۔ آپ ضرور دیکھیں اس پر فرمانے لگے۔ اچھا، اگر آپ نے گڑبڑ کی ہے۔ تو قیامت کے روز حساب ہوگا۔

علّامہ صاحب اور محنت

علّامہ صاحب بے حد محنتی اور ان تھک انسان تھے "من طلب العلی سہر اللیالی" کے تحت ان کی اکثر راتیں جلسوں اور کتابیں لکھنے پڑھنے میں بسر ہوتیں تین چار گھنٹے سو لیتے تھے۔ ایک مرتبہ مسلسل جلسوں کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس کرنے لگے میں نے عرض کیا کہ آپ آرام بھی کیا کریں۔ کہنے لگے کہ آرام قبر میں جا کر ہی کریں گے اور کئی بار فرماتے کہ اتنا کام کرنا چاہیے کہ مخالفت کا نام مٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔